زیر نگرانی

مولانا کلیم احمد قاسمی

مدیر اعزازی

ناصر الدین مظاہری

الغزالی اُردو فورم www.algazali.org

وفیات الاعیان نمبر
مجلہ
افکارِ قاسمی
اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۱۸ء
زیرِ سرپرستی
مولانا مبارک علی مظاہری
زیرِ نگرانی
مولانا کلیم احمد قاسمی
مدیرِ اعزازی
ناصر الدین مظاہری
معاون مدیر
محمد داؤد الرحمٰن علی
الغزالی
دینی، علمی، اصلاحی، کمپوز شدہ مضامین قابلِ قبول ہوں گے۔
نزاعی اور اختلافی نیز سیاسی مضامین شائع نہیں ہوں گے۔
مضمون نگاروں کی تمام آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
تمام کمپوز شدہ مضامین صرف بذریعہ ای میل ارسال کریں۔
ہر شمارہ ڈاؤنلوڈ کر کے محفوظ کرلیں ای میل سے نہیں بھیجا جائے گا۔
پیشکش
الغزالی اردو فورم www.algazali.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے باپ! ہم شرمندہ ہیں!

(اداریہ) ناصرالدین مظاہری

محرم الحرام کی پندرہ تاریخ تھی، میں اپنی درسگاہ میں بیٹھا بچوں کو پڑھا رہا تھا، دوران سبق کسی سے بات کرنا اخلاقاً بھی غلط ہے، ایک صاحب حاضر ہوئے، بجھا بجھا چہرہ، اڑی اڑی رنگت، فکر اور اضطراب کی پرچھائیاں ان کے چہرے بشرے سے ہویدا، سلام کرکے ہاتھ بڑھا دیا، میں نے سلام کا جواب تو دے دیا مگر سبق کی وجہ سے ناگواری کے باوجود بھی مصافحہ کیا اور پڑھانے میں مشغول ہوگیا، نووارد نے اجازت طلب انداز میں کہا کہ میں دو باتیں کرنا چاہتا ہوں؟ میں نے کہا سبق کے بعد کرنا اور جلدی ہو تو دفتر میں چلے جاؤ وہاں حضرت ناظم صاحب بھی ہیں اور دیگر حضرات بھی موجود ہیں ان سے بات کر لیجئے! انہوں نے کہا: صرف ایک منٹ میں اپنی بات پوری کرلوں گا، میں نے بادل ناخواستہ کہا کہ کہئے: انہوں نے کہنا شروع کیا اور میری حیرت وتعجب سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''میں رام پور منہاران کا رہنے والا ہوں، سرکاری نوکری ہے، میں نے ایک دیندار خاتون سے شادی کی، زندگی میں بہت پیسے کمائے، اچھا گھر بنایا، رام پور میں میرے کئی پلاٹ ہیں، لاکھوں روپے میرے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہیں، مالی اعتبار سے میں اللہ کے فضل سے بہت خوش حال ہوں، اللہ نے ایک بیٹا بھی دیا، اس کی معیاری عصری تعلیم پر ہم دونوں نے خوب روپے خرچ کئے، تعلیم مکمل ہوگئی تو ایک اچھے گھرانے سے شادی کردی، میرے بیٹے نے جو ہم دونوں کی آنکھ کا تارا، ہمارے بڑھاپے کا سہارا اور ہمارے جگر کا ٹکڑا تھا اس نے اپنی اہلیہ کو لے کر الگ گھر بنالیا اور ہم دونوں جیتے جی گویا مرگئے، میری بیوی اکلوتے بیٹے کی اس جدائی کو برداشت نہ کرسکی اور ملک عدم کو سدھار گئی، میں دنیا میں اکیلا دھکے کھانے کے لئے رہ گیا، اب میری حالت یہ ہے کہ میں پورا دن سہارنپور میں سرکاری نوکری کرتا ہوں رات تھک ہار کر جب گھر جاتا ہوں تو اتنا بڑا گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، میرا بیٹا کبھی مجھے ملنے نہیں آتا، فون نہیں کرتا، خیر خیریت نہیں بتاتا، گویا میں اس کا باپ ہوں ہی نہیں؟

نووراد کی باتیں اتنی جگر پاش اوردل خراش تھیں،اس کی آنکھوں سے بہتے آنسواس تیزی سے رواں دواں تھے،بات بھی مسلسل جاری وساری تھی اورقریب تھا کہ میں بھی اپنی غمناک کیفیت اورنمناک حالت پرقابونہ پاسکوں اوررونے میں اس کا ساتھ دینے لگوں،مگرمیں نے خودکوسنبھالا اور پوچھا: نماز روزہ کے پابندہو؟ نووارد نے کہا:

''بالکل جناب! میں کوئی نمازنہیں چھوڑتااورنماز چھوڑنے کا کوئی حیلہ اور بہانا بھی نہیں ہے، کھانا ہوٹل سے کھاتا ہوں، ناشتہ جہاں موقع مل گیا کرلیا،نہیں ملانہیں کیا،کوئی شوق نہیں،کوئی ذوق نہیں،اور سچ پوچھوتوایسی عبرتناک زندگی والاصرف اورصرف موت کا ہی منتظرہوتا ہے،اس لئے میں ذکرواذ کار بھی کرتا ہوں،قاری عاشق الٰہی اسعدی میرے پیرومرشد تھے''۔

میں نے کہا آپ کی اس المناک کہانی سنانے کا کیا مقصد ہے؟ بولے:

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا بیٹا بھلے ہی میرے پاس نہ رہے لیکن بول چال توبندنہ رکھے،آنا جانا توجاری رکھے،یہ اتنی بڑی جائداد،کئی عدد پلاٹ ،بینک بیلنس ان سب کا وارث وہی تو ہے کم ازکم کبھی کبھی اپنا چہرہ دکھاتے تو میرے بے قراردل کوقرارآجائے،بس میں یہ چاہتا ہوں اورایک مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں اپنی طرف سے کہیں مسجد بنوادوں تاکہ کم ازکم میرے دل کا کچھ نہ کچھ بوجھ تو ہلکا ہوگا،کل جب اللہ کے سامنے حاضری ہوگی تو میری بنوائی ہوئی مسجد کے بدلے جنت میں اپنا گھر پاکرمیں اپنی مرحومہ کے ساتھ آخرت میں ہی مزے اڑاسکوں گا؟۔

باتیں تواوربھی ہیں جولکھی جاسکتی ہیں اورعبرت آمیزوسبق آموز ہیں لیکن مقصداس واقعہ سے یہ بتانا ہے کہ خدارا اپنی اولادکودین کی کم ازکم اتنی تعلیم تودلائیں کہ وہ ماں باپ کے حقوق کوپہچان سکے۔

حضرت مولانا عبدالشکوردین پوریؒ کاایک سچا واقعہ یادآرہا ہے،فرمایا:

''میں چیچہ وطنی سے تقریر کرکے جارہا تھا،کچھ ساتھی ساتھ تھے،ایک آدمی کودیکھا چارپائی پربیٹھا تھا،مکھیاں بھنبھنارہی تھیں،عجیب حالت تھی؛چہرہ زردتھا،گردوغبار سے اٹا ہوا،نہ اس کا کوئی ہمدردنہ غم خوار،مجھے سمجھ نہ آئی یہ کون ہے،میں اس کےقریب گیاتو کہنے لگا"اومولانا!ادھرتشریف لائیں۔

پیلے دانت،ہڈیوں کا ڈھانچہ،کمزورسانچہ،اس کے پاؤں پرایک کپڑا پڑا ہوا تھا،اس نے کہا مجھے عبرت سے دیکھو،ابھی آپ کی تقریر کی آواز یہاں آرہی تھی اورمیں سن رہا تھا،کہنے لگا یہاں میرا مکان تھا،دوکان تھی،کاروبار تھا،میں کون تھا،میں ایک شیرجیسا انسان تھا،لیکن اب بھیک مانگتا ہوں اوراب کوئی بھیک بھی نہیں دیتا،بلکہ مجھ پرلوگ لعنت کرتے ہیں،کہنے لگا غور سے سننا،عبرت کی بات بتارہا ہوں،اس نے میرا ہاتھ پکڑا اورکافی دیرتک روتا رہا،کہنے لگا میں وہ بدنصیب ہوں جس نے اپنی

ماں کے چہرے پر جوتے مارے تھے۔ کہنے لگا ایک رات اپنے بدکردار غنڈے دوستوں کے ساتھ سینما دیکھنے گیا واپسی پر گھر پہنچ کر ماں سے کھانا مانگا، تو ماں نے شرم دلائی کہ ساری رات آوارہ گردی کرتا ہے کبھی پولیس پکڑتی ہے، نہ تمہارا باپ ایسا تھا نہ دادا اور نہ یہ تیری ماں ایسی ہے، تو کن غنڈوں میں پھنس گیا ہے، اس نے اپنی ممتا کا غصہ اتارا مجھ پر۔ بس مجھے غصہ آیا اور جوتا لے کر ماں کو مارنے لگا، اس میں دو جوتے اس کے منہ پر لگے، ماں کے منہ سے اتنی آواز سنی، اے عرش والے! اسی لیے بچہ دیا تھا کہ آج میں جوتے کھا رہی ہوں، اے رب مجھے اپنے پاس بلا لے، اب مزید جوتے نہیں کھا سکتی، اے رب جس نے ماں کے منہ پر جوتے مارے اس کتے کو تو دنیا اور آخرت میں برباد کردے، پھر کہنے لگا اس وقت تو میں ماں کی ان باتوں کو سن کر سو گیا، اسی رات میرے پاؤں میں ایک درد اٹھا، پاؤں لرزنے لگا، صبح تک پاؤں سوج کر بہت موٹا ہو گیا، ڈاکٹروں کو دکھایا لاہور گیا، ملتان نشتر ہسپتال گیا، آخر پاؤں کاٹنا پڑا اور پھر مسلسل پاؤں کٹتے گئے...... کٹتے گئے!

پھر اس نے اپنے پاؤں کے حصے سے کپڑا اٹھایا بہت پیپ بہہ رہی تھی، کہنے لگا یہ زخم نہیں ماں کی بدعا ہے، اللہ کا قہر ہوا مجھ پر، ماں تو رو رو کر ایک ہفتے میں چل بسی، جائداد گئی، مال گیا، بیوی گئی، بیٹے گئے، 4 سال سے یہاں پڑا ہوں، پیپ مسلسل بہہ رہی ہے، ایسا لگتا ہے کہ ہر وقت کتے کاٹ رہے ہیں، نیند نہیں آتی، گزرنے والے کہتے ہیں یہ وہ لعنتی ہے جس نے اپنی ماں کو جوتوں سے مارا ہے، کتے کی طرح میرے سامنے روٹی پھینکتے ہیں، بیٹوں کو بلاتا ہوں تو نہیں آتے، ابا ابا نہیں کہتے، کہنے لگا مولانا مجھ سے میرا روٹھا رب راضی کرا دو، ماں کے ایک لفظ نے اللہ کے قہر سے مجھے برباد کر دیا۔ اتنا کہہ کر وہ گر پڑا اور روتا رہا، پھر اس نے آنکھ نہ کھولی، مولانا فرماتے ہیں: خدا کی قسم یہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (خطبات دین پوری)

ہمارے بڑوں کا کہنا ہے اور بڑے ہمیشہ تجربہ کی کہتے ہیں:

اقتربوا من ابنائکم...... وشاوروھم...... وحاوروھم...... واکسبوھم...... قبل ان تخسروھم...... ! اپنے بچوں کے قریب رہا کرو...... ان سے مشورے کیا کرو...... تبادلہ خیال کیا کرو...... اُن کے دل جیت لو...... قبل اس کے کہ تم انہیں ہمیشہ کے لئے کھو دو......

والدین کی سب سے اول اور بڑی ذمے داری، بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ بچپن اور لڑکپن کا زمانہ بے شعوری و بے خیالی کا دور ہوتا ہے۔

اس وقت بچے بڑوں کے رحم و کرم کے محتاج ہوتے ہیں۔ بچے انہی کو اپنا محسن سمجھتے ہیں جو انہیں اپنے قریب رکھتے ہیں، ان سے پیار کرتے ہیں۔

بہترین تربیت جو قربت وانسیت سے ممکن ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور مار دھاڑ سے ہرگز ویسی ممکن ہی نہیں۔

سیرت النبی میں بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک کا جائزہ لیں تو آپ بہترین مربی اور بچوں پر رحم کرنے والے نظر آئیں گے۔

آپ ﷺ نے بچوں کے ساتھ نرمی، محبت، عاطفت، ملاطفت کا درس نہ صرف اپنی تعلیمات ہی کے ذریعہ دیا، بلکہ اپنے عمل سے بھی اس کا ثبوت پیش فرمایا۔

آپ ﷺ نے بچوں کے بچپنے کا ہر لحاظ سے خیال رکھا۔اپنی تمام تر رفعت شان کے باوجود ان کے ساتھ کھیلے بھی اور کبھی ان پر سختی نہیں فرمائی۔

اپنے پیارے نواسوں سے آپ ﷺ کی محبت وشفقت کے کئی واقعات ہم سنتے پڑھتے رہتے ہیں کہ کیسے وہ عین نماز کی حالت میں بھی لاڈ سے آپ ﷺ پر سوار ہوجاتے تھے اور آپ ﷺ ناراض تو کیا ہوتے، ان کے لیے سجدے کو طویل فرمالیتے۔

ایک بار آپ ﷺ حضرت حسنؓ کو چوم رہے تھے۔ایک دیہاتی نے اعتراض کرتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت کو نکال دیا تو میں کیا کرسکتا ہوں؟

اسی طرح ایک موقع پر جب ایک صحابی نے حیرت کا اظہار کیا تو فرمایا کہ جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

مسلمان تو مسلمان، حضور نے تو کفار کے بچوں کے ساتھ بھی نرمی کی تلقین فرمائی۔ایک یہودی کا لڑکا آپ علیہ السلام کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔وہ ایک دفعہ بیمار ہوگیا۔آپ ﷺ از خود تشریف لے جا کر اس کی عیادت فرمائی۔اس بچے کے سرہانے بیٹھے، پھر اس بچے سے فرمایا: اسلام قبول کرو، اس بچے نے اپنے والد پر نظر ڈالی۔ والد نے بھی کہا: ابوالقاسم ﷺ کی اطاعت کرو، لہٰذا وہ بچہ مسلمان ہوگیا۔ آپ ﷺ یہ کہتے ہوئے نکلے:

تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جس نے اس کو آگ سے بچالیا۔

آج اس اسوہ حسنہ کی روشنی میں ہم اپنے سلوک کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ کفار اور غیر کے بچے تو الگ، ہم اپنے بچوں، اپنے خون کے ساتھ کیسا بیگانے کا سا سلوک کرتے ہیں؟

باپ کی درشت مزاجی کی وجہ سے بچہ پڑوسی انکل کے زیادہ قریب، باپ سے دور ہوتا ہے...... بات

بات پہ مارنا، چلانا، برا بھلا کہنا بچوں کو نہ صرف ڈھیٹ بنا دیتا ہے بلکہ ان کو ماں باپ سے دور بھی کر دیتا ہے...... پھر ہوتا یہ ہے کہ بچے اس جذباتی خلا کو باہر والوں سے پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں...... باہر پھرتے سفاک درندے ایسے ہی معصوموں کا شکار کرنے گھات لگائے بیٹھے ہوتے ہیں...... سو وہ انہیں جھوٹی محبت کے جال میں پھانس کر ان کا جذباتی و جنسی استحصال تک کر بیٹھتے ہیں۔

گھر میں خود بچے سے متعلق امور میں بھی اس سے کوئی مشورہ نہیں ہوتا، نہ اس سے رائے لی جاتی ہے اور نہ اس کی پسند ناپسند کا خیال رکھا جاتا ہے...... ہر وقت، ہر بات میں بس اپنی مرضی چلائی بلکہ باقاعدہ ٹھونسی اور تھوپی جاتی ہے...... آہستہ آہستہ والدین اور بچوں کے درمیان ایک ایسی اجنبیت کی دیوار کھڑی ہونے لگتی ہے کہ پھر بچہ کسی جذباتی کشمکش کا شکار ہو جائے، اس کے ساتھ کچھ غلط ہونے لگے تو وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی بات والدین سے شیئر نہیں کر پاتا...... اور یوں یہ صورت حال کبھی خدانخواستہ ناقابل تلافی نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔

یاد رکھیے...... انگلی پکڑ کر چلانے والے ہاتھ جب ہاتھ چھوڑ دیں تو پھر جانے کون کون انگلیاں پکڑتا ہے اور کس کس سمت لے جاتا ہے...... اپنے احساسات کو جھنجھوڑیئے اپنی غفلت کو دور کیجیے...... مستقبل کے اِن ہونہار نونہالوں کو اپنے سے قریب کیجیے، ان سے مشورے کیجیے، انہیں اہمیت کا احساس دلایئے...... گاہے ان کے ساتھ تبادلہ خیال کیجیے اور ان کے دل جیت لیجیے...... قبل اس کے کہ آپ انہیں ہمیشہ کے لئے کھودیں...!

جہاں تک بات ماں کی محبت کی ہے تو اس بابت تو تب سے لکھا جا رہا ہے جب سے حضرت انسان نے لکھنا سیکھا تھا پر باپ ایک ایسی ذات ہے جس کی بابت شاید باپ نے بھی کبھی کھل کر نہیں لکھا اور بھلا لکھ بھی کیسے سکتا ہے کہ باپ کی محبت کا ہر رنگ نرالا اور مختلف ہے، ماں کی محبت تو بچے کی پیدائش سے لیکر اسکی آخری عمر تک ایک سی ہی رہتی ہے یعنی اپنے بچے کی ہر برائی کو پس پردہ ڈال کر اسے چاہتے رہنا۔

بچپن میں بچہ اگر مٹی کھائے تو اس پر پردہ ڈالتی ہے اور باپ سے بچاتی ہے، نوجوانی میں بچے کی پڑھائی کا نتیجہ آئے تو اس رپورٹ کارڈ کو باپ سے چھپاتی ہے اور اپنے بچے کو بچاتی ہے، جوانی میں بچے کا دیر سے گھر آنا باپ سے چھپاتی ہے اور اپنے بچے کو بچاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے جیسے بچہ بڑا اور اسکے "جرائم" بڑھتے جاتے ہیں ویسے ویسے ماں اپنے پردے کا دامن پھیلاتی چلی جاتی ہے،

اسکے برعکس ''باپ'' ایک ایسی ہستی ہے جو اپنی اولاد کو بے پناہ چاہنے کے باوجود اس پر صرف اسلئے

ہاتھ اٹھاتا ہے کہ کہیں بچہ خود کو بڑے نقصان میں مبتلا نہ کر بیٹھے، اسکی پڑھائی پر سختی برتتا ہے کہ کہیں اس کا بچہ کم علم ہونے کے باعث کسی دوسرے کا محتاج نہ بن کر رہ جائے، بچے کا رات دیر سے گھر آنا اسلئے کھٹکتا ہے کہ کہیں کسی بری لت میں مبتلا ہو کر بچہ اپنی صحت اور مستقبل کو خراب نہ کر بیٹھے۔

یعنی بچے کی پیدائش سے لیکر قبر تک باپ کی زندگی کا محور اس کا بچہ اور اسکا مستقبل ہی رہتا ہے۔ جہاں ماں کی محبت اسکی آنکھوں سے اور عمل سے ہر وقت عیاں ہوتی ہے وہیں باپ کی محبت کا خزانہ سات پردوں میں چھپا رہتا ہے۔ غصہ، پابندیاں، ڈانٹ، مار، سختی یہ سب وہ پردے ہیں جن میں باپ اپنی محبتوں کو چھپا کر رکھتا ہے کہ بھلے اسکی اولاد اسے غلط سمجھے پر وہ یہ سب پردے قائم رکھتا ہے کہ اسکی اولاد انہی پردوں کی بدولت کامیابی کی سیڑھیاں چڑھنا شروع کرتی ہے۔

باپ جب اپنی اولاد پر جائز غصہ کرتا ہے، مناسب سختیاں کرتا ہے تو اولاد اپنے باپ کو دنیا کا سب سے بڑا ظالم تصور کرتی ہے جو نہ تو دوستوں کے ساتھ رات گئے تک بیٹھنے دیتا ہے اور نہ ہی جیب خرچ اتنا زیادہ دیتا ہے کہ اولاد فضول عیاشیاں کر سکے۔

لیکن یہی اولاد جوان ہو کر جب خود باپ کے مرتبہ پر فائز ہوتی ہے اور اپنے اپنے بچپن کے ساتھیوں اور دوستوں کو نشے، جوے، سٹے اور دیگر خرافات میں مبتلا دیکھتی ہے تو تشکر کے آنسو اس کی آنکھوں میں تیرنے لگتے ہیں اور تعریف کے جملے اس کی زبان پر لرزنے لگتے ہیں کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے ہمارے والد نے ہم پر سختیاں برتیں جس کی بدولت آج کسی بھی طرح کے نشے اور بری لت سے خود کو بچائے رکھا ہے، اور آج ہم اُس مقام پر کھڑے ہیں کہ اپنے والدین کا سر فخر سے بلند رکھ سکیں۔

پر کیا آپکو معلوم ہے کہ باپ سانسیں لیتے ہوئے جیتے جی بھی مر جاتے ہیں، جیسے جیسے اولاد کا اختیار بڑھتا اور والد کا اختیار گھٹتا جاتا ہے ویسے ویسے ہی باپ ''مرنا'' شروع ہو جاتا ہے، جب بچہ طاقتور جوان ہونے لگتا ہے تو باپ کا ہاتھ بعض اوقات اس خوف سے بھی اٹھنے سے رک جاتا ہے کہ کہیں بیٹے نے بھی پلٹ کر جواب دے دیا تو اِس قیامت کو میں کیسے سہہ سکوں گا؟

جب بچے اپنے فیصلے خود لینے لگیں اور فیصلے لینے کے بعد باپ کو آگاہ کر کے ''حجت'' پوری کی جانے لگے تو بوڑھا شخص تو زندہ رہتا ہے پر اسکے اندر کا ''باپ'' مرنا شروع ہو جاتا ہے۔

باپ اس وقت تک زندہ ہے جب تک اولاد پر اسکا حق قائم ہے، جس اولاد سے اس نے اتنی محبت کی کہ اپنے دل پر پتھر رکھ کر اسے تھپڑ بھی مارا، اولاد کے آنسو بھلے کلیجہ چیر رہے ہوں پھر بھی اسلئے ڈانٹا کہ

کہیں ناسمجھ اولاد خود کو بڑی تکلیف میں مبتلا نہ کر بیٹھے۔

نیک اور فرمانبردار اولاد ہمیشہ یہی چاہتی ہے کہ اولاد کے بڑھنے اور جوان ہونے سے والد صاحب احساس کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں،جس طرح والد صاحب کا ہماری زندگی پر ہمیشہ اختیار رہا ہے لہٰذا عمر کے اِس حصّے میں بھی ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ابو کو کبھی احساس نہ ہو کہ اب ہم ''بڑے'' ہوگئے ہیں یا ان کی اہمیت گھٹ چکی ہے،لہٰذا پیسے ہونے کے باوجود انھیں اپنے ہر کام کے لئے والد صاحب سے پیسے مانگنا اچھا لگتا ہے ،رات اگر کسی پروگرام سے واپسی پر دیر ہوجانے کا خدشہ ہو تو فون کرکے بار بار بتانا ضروری سمجھتی ہے تاکہ والد صاحب کو فکر نہ ہو پھر واپسی کے بعد سب سے پہلے ان ہی کے پاس جاکر سلام کرکے گویا اپنی آمد اور حاضری درج کراتی ہے کیونکہ باپ تو بہرحال باپ ہے جس کو کوئی بدل نہیں ہے۔

باپ تو وہ ہستی ہے جو روڈ کراس کرتے ہوئے اپنی جوان اولاد کا ہاتھ عادتاً ہی سہی ،بے خیالی میں ہی سہی پکڑ لیتی ہے کیونکہ اولاد تو اولاد ہوتی ہے کتنی ہی بڑی ہو جائے۔

باپ کی محبت اولاد سے ماسوائے اسکے اور کچھ نہیں مانگتی کہ ''باپ'' کو زندہ رکھا جائے ،پھر چاہے وہ چارپائی پر پڑا کوئی بہت ہی بیمار اور کمزور انسان ہی کیوں نہ ہو،اگر اس کے اندر کا ''باپ'' زندہ ہے تو یقین جانئے اسے زندگی میں اور کسی شے کی خواہش اور ضرورت نہیں ہے۔

اپنے بوڑھے باپ کی قدر ان خاندانی عورتوں سے پوچھو جو گھر میں اپنی جوان اولاد،شوہر اور گھر کے تمام مردوں کی عدم موجودگی میں بستر پر پڑے ''باپ'' کے وجود سے خود کو مطمئن اور پرامن تصور کرتی ہیں۔

باپ کی حیثیت اس اولاد سے پوچھو جن کے والدین ملک عدم سدھار چکے ہوں اور آپ زندگی کے کسی حساس مسئلہ میں کسی جہاں دیدہ شخصیت کے مشورے کے طالب ہوں!

خدارا!اگر آپ کے والد حیات ہیں تو ان کے اندر کا ''باپ'' زندہ رکھئے یہ اس ''بوڑھے شخص'' کا آپ پر حق بھی ہے اور قرض بھی ہے!! کیونکہ آنے والا کل پورے طور پر منظر کو بدل کر رکھ دے گا،سوچئے! آج جس ٹوٹی چٹائی اور پرانے بستر پر آپ کے والد صاحب موجود ہیں جنھوں نے آپ کے لئے دن کا چین اور رات کی راحت سب کچھ قربان کرکے اچھا گھر ،اچھی تعلیم اور اچھی جائداد چھوڑی ہے......اُن کے جانے کے بعد وہی چارپائی آپ کی منتظر ہوگی اور آپ کے اَریب قریب آپ کے جوان سال صاحب زادگان کھڑے ہوں گے۔

ازواجِ مطہراتؓ: خواتین کی دینی درسگاہیں

قاری نسیم احمد منگلوری

تاریخ شاہد ہے کہ جب جب ضرورت پڑی عاشقان مصطفیٰ ﷺ نے آپ ﷺ کی عزت وناموس کی خاطر اپنی جانوں کی بازی لگادی۔ تاریخ تو یہاں تک شہادت دیتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا جنگ احد میں ایک دانت شہید ہوا، حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سارے دانت توڑ دیئے، اللہ اللہ کیسا عشق تھا۔

حضرت نبی کریم ﷺ کا ایک دانت کیا شہید ہوا، دیوانے نے یہ خیال کرکے کہ نہ معلوم کون سا دانت شہید ہوا، یکے بعد دیگرے سارے ہی دانت توڑ دیئے، جو عشق کے اس مقام پر فائز ہوئے۔ سوچیے تو سہی! وہ دشمن رسول ﷺ کو کیسے آزاد چھوڑ سکتے ہیں۔

حیف صد حیف کہ آج ہمارے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ ہم آقا ﷺ کی عزت وناموس کے لئے کچھ کرگزرنا تو دور، اس جیسے اہم اور حساس موضوع کے چیدہ چیدہ نکات کو یاد کرنا تو دور، اس موضوع پر گفتگو بھی نہیں کرتے۔ یہ ہماری بے حسی نہیں تو اور کیا ہے، دین سے دوری نہیں تو کیا ہے۔ اسوۂ حسنہ سے نفرت نہیں تو اور کیا ہے۔ آج تاریخ پھر سے اپنے آپ کو دوہرا رہی ہے، آج پھر سے کچھ ملعون صفت انسانوں نے آقا ﷺ کی عزت وناموس پر انگلیاں اٹھانا شروع کردی ہیں۔ اس وقت کچھ لوگوں کی زباں پر سب سے زیادہ موضوع بحث حضور اکرم ﷺ کی شادیاں ہیں، یعنی کہ حضور اکرم ﷺ کی شادیوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کی حضور اکرم ﷺ نے گیارہ شادیاں کی ہیں۔ یہ بتانا اور مان لینا بظاہر بڑا ہی سہل اور آسان ہے۔ جبکہ ان سب کے پس پشت اللہ رب العزت کی بڑی مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جنھیں کوئی بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتا، جو کہ ہر کس وناکس کی سمجھ سے بالاتر بھی ہے۔

اسلامی تاریخ اور احادیث کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے عالم شباب میں، 25 سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ بیوہ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ جس وقت آقا ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی، اور جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ جبکہ یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ اگر کسی شخص میں نفسانی خواہشات کا غلبہ ہو تو وہ عالم شباب کے 25 سال تک ایک بیوہ

خاتون کے ساتھ گزارنے پر قطعی اکتفا نہیں کرتا، مگر 50 سال کی عمر تک آپ ﷺ نے ایک بیوی پر ہی قناعت کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مختلف وجوہات کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیئے۔ آج اگر نوجوانوں سے سوال کیا جائے کہ ہے کوئی نوجوان! جو 40 سال کی بیوہ سے شادی کرے، تو لاکھوں میں کوئی ایک آدھ بندۂ مومن نکلے گا، بلکہ اکثر کا جواب نفی میں ہی ملے گا۔ لبوں پہ خاموشی کے تالے لگ جائیں گے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گیارہ شادیاں کی ہیں سوائے ایک کے، باقی سب بیوگان تھیں۔ یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ بیوگان سے شادی کرنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ جنگ احد میں ستر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین شہید ہوئے۔ نصف سے زیادہ گھرانے بے آسرا ہوگئے، بیوگان اور یتیموں کا کوئی سہارا نہ رہا۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بیوگان سے شادی کرنے کو کہا، لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مختلف اوقات میں نکاح کیے۔ آپ ﷺ کو دیکھا دیکھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بیوگان سے شادیاں کیں، دوسروں کو ترغیب دینے کیلئے آقا ﷺ نے خود پریکٹیکل کر کے دکھایا، جس کی وجہ سے بے آسرا گھرانے آباد ہوگئے۔ یتیموں کو دست شفقت مل گیا، بیواؤں کو سہارا مل گیا۔

اسی طرح ہم جب تاریخ عرب کے صفحات الٹتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کا اس زمانے میں دستور تھا کہ جو شخص ان کا داماد بن جاتا، اس کے خلاف جنگ کرنا اپنی عزت کے خلاف جنگ کرنا تسلیم کیا جاتا تھا، عربی باشندے اسے اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین مخالف تھا۔ مگر جب ان کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کا نکاح ہوا تو یہ دشمنی کم ہوگئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا شروع میں مسلمان ہوکر اپنے مسلمان شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں، وہاں ان کا خاوند نصرانی ہوگیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ان سے علیحدگی اختیار کی اور بہت مشکل سے گھر پہنچیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل جوئی فرمائی اور بادشاہِ حبشہ کے ذریعے ان سے نکاح کیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا والد قبیلہ معطلق کا سردار تھا۔ یہ قبیلہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے جہاد کیا، ان کا سردار مارا گیا۔ حضرت جویریہ

رضی اللہ عنہا قید ہو کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے مشورہ کر کے سردار کی بیٹی کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا دیا اور اس نکاح کی برکت سے اس قبیلہ کے سو گھرانے آزاد ہوئے اور سب مسلمان ہو گیے۔

تاریخ خیبر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کی لڑائی میں یہودی سردار کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا قید ہو کر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے مشورے سے ان کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا دیا۔اسی طرح میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی وجہ سے نجد کے علاقہ میں اسلام پھیلا۔ان شادیوں کا مقصد یہ بھی تھا کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آسکیں ،اخلاقِ نبی کا مطالعہ کرسکیں تا کہ انہیں راہ ہدایت نصیب ہو۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے جس وقت نکاح کیا اس وقت وہاں متبنی کی رسم بڑے عروج پر تھی۔اسلام تو آیا ہی تھا رسم ورواج کو مٹانے کے لئے۔ان کے خاتمہ کے لئے ،حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح متبنی کی اس رسم کو توڑنے کے لئے کیا۔حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی کہلائے تھے،ان کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ہوا۔منا سبت نہ ہونے پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی،تو حضور ﷺ نے نکاح کرلیا اور ثابت کر دیا کہ متبنی ہرگز حقیقی بیٹے کے ذیل میں نہیں آتا۔

اس میں شک اور شبہ کی قطعی گنجائش نہیں کہ علوم اسلامیہ کا سر چشمہ قرآنِ پاک اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا ہر ایک پہلو محفوظ کرنے کے لیے مردوں میں خاص کر اصحابِ صفہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔عورتوں میں اس کام کے لیے ایک جما عت کی ضرورت تھی۔ایک صحابیہ سے کام کرانا مشکل تھا۔اس کام کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ نے کئی نکاح کیے۔آپ نے حکماً ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہما کو ارشاد فرمایا تھا کہ ہر اس بات کو نوٹ کریں جو رات کے اندھیرے میں دیکھیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو بہت ذہین اور فہیم تھیں، حضور ﷺ نے نسوانی احکام ومسائل کے متعلق آپ کو خاص طور پر تعلیم دی۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت عائشہؓ 45 سال تک زندہ رہیں اور 2210 احادیث آپ ﷺ سے مروی ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی مسئلے میں شک ہوتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہوتا۔اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایات کی تعداد 368 ہے۔

ان حالات وواقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ازدواجِ مطہراتؓ کے گھر، عورتوں کی دینی درسگاہیں تھیں، کیونکہ یہ تعلیم قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے مکمل اور نا قابل نسخ تھی، مگر ذرائع ابلاغ محدود تھے، اس لیے کتنا جانفشانی سے یہ کام کیا گیا ہوگا، اس کا اندازہ لگا پانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ بہرکیف آج ضرورت ہے کہ ہم آقاﷺ کی زندگی کے اس طرح کے کچھ نکات یاد رکھیں، یاد کریں، تاکہ موقع بموقع معترضین کو آئینہ دکھایا جاسکے، اور کوئی بدبخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اگر حملہ کرے تو آپﷺ کی عزت وناموس کا دفاع کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے والا بنائے۔(آمین)

کی محمدﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

فضائل مسجد

مولانا صدر الدین صاحب انصاری

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچایا کرو، ان میں خرید وفروخت، لڑائی جھگڑا اور شور وغل نہ کیا کرو، ان میں حدود قائم نہ کیا کرو، تلواریں نہ سونتا کرو اور ان کے دروازوں پر طہارت خانے بنواؤ۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو آدمی مسجد میں کسی شخص کو کسی گمشدہ چیز کی تلاش کرتا ہوا سنے تو سننے والے کو کہنا چاہیے کہ اللہ کرے تجھے وہ چیز نہ ملے کیونکہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ (مشکوۃ شریف)

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد صاحب کے واسطے سے اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں خرید وفروخت کرنے، گمشدہ چیز کو تلاش کرنے اور شعر پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

ان تینوں حدیثوں میں مسجد کا احترام کرنے کی تاکید ہے، چھوٹے چھوٹے بچے اگر مسجدوں میں لائے جائیں گے تو وہاں گندگی پھیلائیں گے کوئی پیشاب کرے گا کوئی پاخانہ، اسی طرح پاگل کو بھی کوئی تمیز نہیں ہوتی وہ اچھی بری بات میں فرق نہیں کر سکتا، ہوسکتا ہے کہ مسجد میں کوئی گندگی پھیلائے کسی قسم کا نقصان پہنچائے، کسی سے لڑ بیٹھے، شور مچائے اور کسی قسم کی نامناسب حرکت کر بیٹھے جو مسجد کے احترام کے خلاف ہو، مسجد میں شور مچانا بہت بری بات ہے۔ حضرت سائب بن یزید کی حدیث آگے آرہی ہے جس میں حضرت عمر نے دو آدمیوں کو مسجد میں بلند آواز سے بولنے پر سخت تنبیہ فرمائی۔

اسی طرح مسجدیں چوپال نہیں، کلب یا جلسہ گاہیں نہیں ہیں کہ وہاں آپ اپنی دنیا بھر کی ضرورتیں شروع کر دیں، نماز کی طرف تو کوئی توجہ نہ ہو، علم وذکر کی کوئی پرواہ نہ ہو مگر گمشدہ چیزوں کی تلاش کے لیے اعلان شروع کر دیں یہ بہت بری بات ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ مسجد ایسے کاموں کے لیے نہیں بنائی گئیں بلکہ آپ نے اس قدر تاکید فرمائی کہ اگر کوئی مسجد کی اس طرح بے حرمتی کرے تو اُس کو یہی کہو کہ تجھ کو وہ چیز ہی نہ ملے۔

البتہ اگر کسی کی کوئی چیز مسجد میں ہی رہ گئی ہو تو اس کے لیے علماء نے لکھا ہے کہ ایسی چیز کو مسجد میں لوگوں سے مسجد کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے دریافت کرسکتا ہے اور مسجد میں اعلان بھی کرسکتا ہے۔

مسجد میں خرید و فروخت کرنا یا شعر و شاعری کی آزاد مجلسیں جمانا بالکل ناجائز ہے مسجدیں اللہ کے ذکر اور علم دین کے لیے ہیں کوئی تجارتی منڈی نہیں مسجد تو آخرت کا بازار ہے دنیا کا بازار نہیں،

یہاں خرید و فروخت کا مطلب تو یہ ہو جائے گا کہ دنیا کی چیزوں کا رتبہ آخرت کی نعمتوں سے بڑا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہاں آخرت کی نعمتیں ملتی ہیں اور ہم ان کو چھوڑ کر دنیوی گندگیاں لینے لگیں۔

اشعار کے معاملہ میں آج کل لوگ بڑی زیادتی کرتے ہیں اور چونکہ بعض روایات میں حضور ﷺ کا مسجد میں اشعار سننا آیا ہے اس لیے اس کو حجت بنا کر مسجدوں کو شعر و شاعری کا ایسا اکھاڑا بنا دیتے ہیں کہ خدا کی پناہ، یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ کیسے اشعار کی مخالفت ہے اور کیسے جائز ہیں اور جواز کی شرطیں کیا ہیں، حضور ﷺ کے زمانے میں اوّل تو صحابہ خود ہی ہر چیز کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ہم تصور بھی نہیں کرسکتے، بس ایک مرتبہ ان کو حضور ﷺ کی منشاء کا علم ہو بس پھر دنیا کی کوئی طاقت نفس کا کوئی جذبہ ان کو حضور ﷺ کی منشاء کے خلاف کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔

دوسرے یہ کہ فقہاء نے حضور ﷺ کے اقوال و افعال کو پڑھ کر مسجد میں نصیحت و وعظ یا نعتیہ اشعار پڑھنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو، نمازیوں اور ذکر و شغل کرنے والوں کو اس سے تکلیف نہ ہو آج کل جیسی طوفانِ بے تمیزی مچانے کی ہرگز اجازت نہیں۔

سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سو رہا تھا کہ ایک آدمی نے مجھے کنکری ماری میں نے دیکھا تو حضرت عمر بن خطاب تھے آپ نے مجھ سے فرمایا جاؤ ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس لے کر آؤ میں انہیں بلا لایا۔ حضرت عمر نے ان سے پوچھا تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے جواب دیا طائف کے۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر تم اسی شہر کے ہوتے تو میں تم کو مزہ چکھاتا تم رسول اللہ ﷺ کے مسجد میں شور مچا رہے تھے۔ (باتیں کرنے میں آوازیں بلند کر رہے تھے۔)

چونکہ یہ حضرات مقامی نہ تھے بلکہ باہر سے آئے ہوئے مہمان تھے حضور ﷺ کی خدمت میں زیادہ رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا اس لیے حضرت عمر نے صرف تنبیہ فرما کر چھوڑ دیا یا مہمان ہونے کی وجہ سے رعایت کی۔ مسجد کے احترام میں بعض بزرگوں سے تو یہ بھی منقول ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے ان پر خوف کی وجہ سے کپکپی طاری ہو جاتی تھی کہ خانہ خدا میں جا رہے ہیں کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔

حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتی اور ناواقفیت آدمیوں سے فوراً سخت برتاؤ نہیں کرنا چاہیے بلکہ نرمی سے پہلے ان کو سکھانا چاہیے حضور اقدس ﷺ کی مبارک مجلس میں دیہاتی حضرات بسا اوقات اپنی سادگی سے ایسی باتیں کہہ دیتے تھے یا ایسی حرکتیں کرگزرتے جو تربیت یافتہ صحابہ کو بہت ناگوار گزرتیں مگر حضور ﷺ تحمل فرماتے۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص پیاز یا لہسن کھائے اس کو چاہیے کہ ہم سے (یا فرمایا) ہماری مسجد سے جدا رہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ جو پیاز لہسن کھائے اُس کو چاہیے کہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو بھی ان چیزوں سے اذیت ہوتی ہے جن سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے۔(مسلم شریف)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جمعہ کا خطبہ دیا تو اس میں کہا اے لوگو تم ایسے دو درخت کھاتے ہو جو میرے نزدیک گندے ہی گندے ہیں، لہسن اور پیاز۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کو اِن دونوں چیزوں کی بدبو کسی سے آتی تھی تو آپ اس کو باہر بقیع میں نکلوادیا کرتے تھے اس لیے جو بھی اِن کو کھانا چاہے اُس کو چاہیے کہ ان کو پکا کر ان کی بدبو کو مار دے۔

☆☆☆

مرید ہونے کی ضرورت کیا ہے؟

افادات: حکیم الامت حضرت تھانویؒ

عموماً لوگ اس ضرورت ہی سے ناواقف ہیں دوسروں کی دیکھا دیکھی رواجی طور پر مرید ہوجاتے ہیں اور کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن پیر صاحب ہماری سفارش کردیں گے، اس سے زیادہ کسی چیز کا تصور پیروں کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں عموماً نہیں پایا جاتا، بھلا بے عمل خلافِ شرع پیر کیا سفارش کرسکتے ہیں؟

مرید ہوتے وقت جو کسی شخص کے ہاتھ پر توبہ کرتے ہیں اُس توبہ کے لوازم کا پورا کرنا لازم ہے (ان لوازم کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی جائے) اگر مرید ہوئے اور فرائض کا اہتمام نہ کیا گناہوں سے نہ بچے اور حرم وحلال کی تمیز نہ کی حرام مال کماتے رہے یا حرام جگہ خرچ کرتے رہے یا لوگوں کے حقوق دباتے رہے یا مال مارتے رہے تو ایسی مریدی والی توبہ سچی نہیں ہے۔ شیخ کے ہاتھ پر توبہ کرلینے کے بعد حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ نہ ہونے کا باعث یہ بھی ہے کہ عموماً بہت سے پیر جو آباؤ اجداد کی گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں خود ہی فکرِ آخرت سے خالی ہیں، خالص دُنیادار ہیں، مال جمع کرنے کو مقصدِ زندگی بنا رکھا ہے، پیری مریدی بھی ایک دھندہ ہے جو کسبِ مال کا بہت بڑا ذریعہ ہے ایسے لوگوں کی صحبت سے فکرِ آخرت کے بجائے حبِ دنیا میں اضافہ ہوتا ہے۔

مرید ہونے کا ارادہ کریں تو اوّل لازم ہے کہ ایسا مرشد تلاش کریں جو شریعت کا پابند ہو اور آخرت کا فکرمند ہو، دنیادار نہ ہو، دنیا سے محبت نہ رکھتا ہو، گناہوں سے بچتا ہو اور اس کے پاس بیٹھنے سے آخرت کی فکر بڑھتی ہو اور گناہ چھوٹتے ہوں، نیکیوں کی رغبت ہوتی ہو، حرام سے بچنے کی طرف اور حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف طبیعت چلتی ہو اور فرائض وشرعی احکام کی طرف رغبت ہوتی ہو، اگر کوئی شخص مرید کرتا ہو لیکن فرائض وحقوق کا خیال نہ رکھتا ہو اُس کی زندگی گناہوں والی ہو تو اِس قابل نہیں ہے کہ اُس سے مرید ہوں اس شخص سے دُور بھاگنا واجب ہے۔

عورت شوہر اور گھر کو دیندار بنا سکتی ہے:

فرمایا: عورت کے حالات کا پورے گھر پر اثر پڑتا ہے، اگر عورت دیندار ہے تو دوسری عورتوں کو بھی دیندار بنادے گی اگر عورت آزاد بے پردہ ہے تو ایک کے آنے سے پورا ماحول گندہ ہوجائے گا۔

ایک جگہ کا قصہ ہے کہ ایک تحصیلدار صاحب تھے ان کی شادی ایک صاحب کی لڑکی سے ہوئی جو حضرت تھانوی سے بیعت تھے بڑے دیندار تھے ان کی دینداری کی شہرت تھی رشتہ ہوا اور رخصتی ہوگئی، رخصتی کے بعد آتے ہی سب سے پہلے گھر میں دوسری عورتوں سے اُس نے سلام کیا، نئی دلہن کے لیے سلام کرنا بڑے عار کی بات سمجھتے ہیں عورتوں کو بڑا تعجب ہوا کہ بڑی بے حیا معلوم ہوتی ہے، جب نماز کا وقت آیا تو اُس نے خود ہی پانی مانگا وضو کیا اور دوسری عورت سے کہا کہ آپ لوگ بھی نماز پڑھیں سب کو وضو کرایا نماز پڑھائی، عورتوں میں چرچا ہوا یہ تو بڑی بے حیا ہے ابھی سے ٹک ٹک باتیں کرتی ہے اس واسطے کہ اُس وقت عورتوں کے ماحول میں نئی دلہن کے لیے بولنا جرم تھا پانی بھی نہیں مانگ سکتی دوسری عورت ساتھ جاتی تھی اگر پانی کی ضرورت ہوتی تو پہلے اس سے کہتی وہ لا کر دیتی۔

اب کھانے کا وقت آیا کھانا سامنے لایا گیا تو کھانے سے انکار کر دیا، بہت اصرار کیا گیا تب بھی نہ کھایا، اب بات پھیلی کہ بہو کچھ کھاتی نہیں، جب زیادہ اِصرار کیا گیا تو کہا اچھا جس سے میرا رشتہ ہوا ہے اُن کو بُلا دیجئے ان سے تھوڑی بات کرنا چاہتی ہوں۔ عورتوں میں ہائے ہائے مچ گئی کہ یہ کیسی بے حیا ہے ابھی سے شوہر سے سب کے سامنے بات کرتی ہے بڑی بے شرم ہے، شوہر کو بلایا گیا اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ رشوت لیتے ہیں اور رشوت کھانا حرام ہے اس کو تو میں نہیں کھاؤں گی، میں آپ سے مطالبہ نہیں کرتی گھر قریب ہے میں اپنا خرچ چلا لوں گی گفتگو ہوتی رہی، شوہر نے کہا کہ اس میں میری بدنامی ہے۔ بیوی نے جواب دیا کہ اس میں آپ کی بدنامی معلوم ہو رہی ہے اور قیامت میں جو رسوائی ہوگی اس کا خیال نہیں، شوہر نے توبہ کی آئندہ کے لیے عہد کیا کہ کبھی رشوت نہ لوں گا، اس کے بعد بیوی نے کھانے کی شرعی صورت بیان کی، جب عورت دیندار ہوتی ہے تو شوہر کو دیندار بنا دیتی ہے اس کو دیکھ کر دوسری عورتیں بھی دیندار ہو جاتی ہیں۔

اہلیہ کیساتھ علیحدہ رہیے اور والدین کی خدمت کیجیے:

رمضان میں ایک صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ شکایت کی کہ میری بیوی اور ماں میں باہم نباہ نہیں ہوتا، آئے دن اختلافات اور کشیدگی ہوتی رہتی ہے یہ کہہ کر اُن صاحب نے تعویذ چاہا، حضرت نے فرمایا تعویذ تو میں دیتا لیکن آپ اہلیہ کو علیحدہ لے کر رہیے کھانا پینا بھی علیحدہ رکھیے

اور علیحدہ رہ کر والدین کی خدمت کیجیے، والدین اگر علیحدہ رہنے پر راضی نہ ہوں تب بھی علیحدہ رہیے ناراض ہوں تو ہوا کریں اُن کی خدمت کرتے رہیے، اِن شاءاللہ کچھ دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔

08082208685

عورت کی بد دینی گھر کی بربادی

مولانا حکیم شاہ محمد اختر کراچی

اگر عورت بد دین اور آزاد بے پردہ ہے تو مرد کو بھی بد دین بنا دے گی، کتنی جگہ آزاد عورتیں گھروں میں آئیں خود بے پردہ تھیں دوسروں کو بے پردہ بنا دیا، لباس ایسا کہ ہاتھ کھلے ہوئے پیٹ کھلا ہوا، ایسی عورتیں دوسروں کو اور شوہر کو بھی بد دین بنا دیتی ہیں۔

اس میں بھی ایک تحصیلدار صاحب ہی کا قصہ ہے بڑے دیندار تھے رشوت بالکل نہ لیتے تھے نماز روزہ کے پابند، اتفاق سے اُن کے چپڑاسی کے یہاں شادی تھی اُس نے تحصیلدار صاحب سے اصرار کیا کہ صاحب اپنے گھر سے عورتوں کو بھیج دیں تو میری عزت رہ جائے گی اور وہ تحصیلدار صاحب کسی کے یہاں شادی وغیرہ میں بھیجتے نہ تھے، ایک تو شادی میں بے پردگی بہت ہوتی ہے دوسرے اور بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں اس لیے اپنے گھر کی عورتوں کو شادی میں نہ بھیجتے تھے لیکن چپڑاسی نے بہت اصرار کیا تو اُنہوں نے بھیج دیا، وہاں جا کر انہوں نے دیکھا کہ ساری عورتیں ایک سے ایک لباس پہنے زیور سے لدی پڑی ہیں اور ہر پانچ منٹ میں نیا جوڑا بدلا جا رہا ہے اور عورتیں پوچھتیں کہ یہ کون ہیں تو بتلایا جاتا کہ تحصیلدار صاحب کی بیگم ہیں اِن کی اور ذلت ہوتی، بس وہاں سے آ کر جب گھر آئی ہیں تو تحصیلدار صاحب پر برس پڑیں کہ میری ناک کٹا کے رکھ دی مجھے ذلیل ورسوا کیا، چپڑاسی اور نوکران کی عورتیں تو زیور سے لدی رہتی ہیں، نئے نئے جوڑے منٹ منٹ پر بدلے جاتے ہیں اور میرے پاس صرف ایک سادہ جوڑا، زیور سے بالکل ننگی۔ تحصیلدار صاحب نے سمجھایا کہ ارے جتنی تنخواہ ہے اُسی کے مطابق انتظام کرتا ہوں وہ لوگ دوسری طرح آمدنی کرتے ہیں رشوت لیتے ہیں، بیگم صاحبہ فرماتی ہیں تو آپ کے لیے کیا دروازہ بند ہے، آپ کو کس نے منع کیا؟ الغرض اتنا پیچھے پڑیں بالآخر شوہر کو مجبور کر دیا وہ رشوت لینے لگے اور اُن کی ساری دینداری ختم ہوگئی۔ یہ تحصیلدار صاحب کی کمزوری اور ڈھیلے پن کی بات تھی ورنہ سخت ہو جاتے، نہ لیتے رشوت، کیا کر لیتی عورت، گھر سے نکال دیتے دماغ درست ہو جاتا۔

جب عورت بد دین ہوتی ہے تو شوہر کو بھی بد دین بنا دیتی ہے، اِسی وجہ سے اہلِ کتاب یہودی یا عیسائی عورتوں سے کوئی نکاح کرے تو نکاح تو جائز ہو جائے گا لیکن اس کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے گھر برباد ہوتا ہے۔

گھمنڈ

مفتی احمد متین رشادی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر کرنے والے کا بہت برا ٹھکانا ہے، کبریائی خاص میری چادر ہے پس جو شخص بھی اِس میں شریک ہونا چاہے گا میں اُس کو قتل کردوں گا۔

تکبر کی حقیقت اور آثار:

رسولِ مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ "جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔"

جولوگ باوجود صاحبِ عزت ومال ہونے کے تواضع کرتے ہیں اور عاجزی وانکساری کے ساتھ لوگوں سے ملتے ہیں اُن کو مبارک ہو کہ اُن کے بڑے درجے ہیں اُن کی دنیا میں بھی عزت بڑھتی ہے اور آخرت میں بھی۔

تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو صفاتِ کمالیہ میں دوسروں سے زیادہ سمجھے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں مثلاً راستہ میں چلتے وقت دوسروں سے آگے قدم رکھنا مجلس میں صدر مقام یا عزت کی جگہ بیٹھنا دوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنا یا اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اُس پر غصہ ہونا، کوئی اگر تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا، کوئی اگر نصیحت کرے تو ناک بھویں چڑھانا، حق بات معلوم ہونے پر بھی اُس کو نہ ماننا اور عوام الناس کو ایسی نگاہ سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں نعوذ باللہ منہا چونکہ تکبر بڑی بڑی خباثتوں کا مجموعہ ہے اس لیے جہنم کا پورا ذخیرہ ہے۔

کبریائی:

کبریائی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص اور اسی کی شان کو زیبا ہے پس انسان ضعیف البنیان جس کو دوسرے کا اختیار تو درکنار اپنے ہی نفس کا اختیار نہیں اِس صفتِ الٰہی میں ساتھی ہونے کی کس طرح جرأت کرسکتا ہے اور چونکہ متکبر شخص باوجود اس ذلت وضعف کے حق تعالیٰ کی مشارکت چاہتا ہے اور اس صفت کمالیہ میں اُس کے ساتھ منازعت (جھگڑا) کرتا ہے اس لیے پرلے درجے کا احمق اور خبیث النفس سمجھا

جائے گا۔

تکبر :

تکبر کے سبب حق بات کے انکار کی نوبت آتی ہے جس سے دینی سعادت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور متکبر اللہ کی مخلوق کو بہ نظر حقارت دیکھنے لگتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو بہت ناگوار ہے۔

کسی اطاعت اور معصیت کو معمولی نہ سمجھو :

کان لگا کر سنو! ایک بزرگ کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کو اپنی طاعت میں چھپا رکھا ہے لہٰذا کسی عبادت کو کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ اُس کی رضامندی اِس میں چھپی ہوئی ہو اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی اور غصہ کو معصیت میں چھپا دیا ہے پس کسی معصیت کو کیسی ہی ذرا سی کیوں نہ ہو کبھی معمولی نہ سمجھو کیا خبر ہے شاید اِسی میں اس کی ناراضگی وغصہ چھپا ہوا ہو اور اسی طرح اپنی ولایت وقرب کو اپنے بندوں میں مخفی رکھا ہے لہٰذا کسی بندہ کو کیسا ہی گناہگار کیوں نہ ہو کبھی حقیر نہ سمجھو کیا خبر کہ شاید یہی بندہ اللہ کا ولی ہو اسی عمل میں اُس کی رضامندی ہو جس کا ظہور اس کے انتقال کے وقت دفع ہو جائے۔

تکبر نفس :

تکبر نفس کوئی پسندیدہ وصف حاصل نہیں کرنے دیتا، تکبر کرنے والا شخص تواضع سے محروم رہتا ہے، حسد اور غصہ کو دُور کرنے پر قادر نہیں ہوتا، ریا کاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اس کو دشوار ہوتا ہے کسی مسلمان بھائی کی خیرخواہی اس سے ہو نہیں سکتی، غرض اپنی عظمت اور بڑائی کے غرہ (غرور) میں مست اور بہمہ صفت موصوف ہونے کے خیالِ باطل میں ناصح کی نصیحت سے مستغنی اور نفس امارہ کی اصلاح سے بالکل محروم رہتا ہے۔

کبر کا علاج :

جب تک یہ بدخصلت دفع نہ ہو جائے آئندہ بھی اس کی اصلاح کی توقع نظر نہیں آتی لہٰذا اس کے علاج میں جلدی کرنی چاہیے۔

اوّل تو یہی سوچنا چاہیے کہ ہماری حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ابتدا تو نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے اور اِنتہا مردار لوتھڑا اور کیڑے مکوڑوں کی غذا، اب رہی متوسط حالت کہ جس کا نام زندگی

اور حیاتِ دنیا ہے سو اس کی حالت یہ ہے کہ منوں نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسان محض معدوم شے تھا اور اس قابل ہی نہ تھا کہ ذکر و بیان میں آسکے، اس کے بعد مٹی بنا اور پھر نطفہ ہوا پھر مضغہ گوشت بنا نہ کان تھے نہ آنکھ اور نہ حیات نہ طاقت اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے دیا مگر اس پر بھی بیسیوں امراض کا ہر وقت نشانہ بنا ہوا ہے، بھوک پیاس کا محتاج جدا ہے اور ذرا سی تکلیف میں بیکار ہو کر بیٹھ جاتا ہے کسی شے کا علم چاہتا ہے مگر نہیں ہوسکتا، نفع حاصل کرنا چاہتا ہے مگر نقصان ہو جاتا ہے کوئی لحظہ موت سے امن نہیں اللہ جانے جس وقت بیمار ہو جائے کس وقت عقل چھن جائے کس وقت کوئی عضو بیکار ہو جائے اور کسی وقت روح پرواز کر جائے پھر انجام کار موت کا شکار اور اس کے بعد تنگ و تاریک گھاٹیوں کا سامنا ہونا ہے حساب کتاب حشر و نشر پیش آنے ہیں، جنت دوزخ میں دائمی زندگی کا فیصلہ اور شہنشاہی فرمان کا صادر ہونا، بھلا تم ہی بتاؤ کہ ایسے گرفتار مصیبت اور ذلیل و ناکارہ غلام کو زبردست قدرت والے جبار و قہار شہنشاہ کی ہمسری کا خیال کیونکر زیبا ہوسکتا ہے؟ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اگر نجاست اس کے ہاتھ کو لگے تو تین تین مرتبہ دھوئے اور پھر اسی نجاست کو ہر وقت پیٹ میں لیے پھرے اس کو تکبر کرنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

عموماً چار باتوں میں انسان کو تکبر ہوتا ہے: (۱) علم (۲) تقوی (۳) حسب و نسب اور (۴) مال و جمال۔

☆☆☆

تقویٰ

مولانا محمد حمزہ قاسمی

تکبر کا دوسرا سبب تقوی اور زہد ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد بھی اکثر تکبر کرنے لگتا ہے اور بعض کی تو یہاں تک حالت ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو ایذا پہنچانے کو اپنی کرامت سمجھنے لگتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص سے ان کو ایذا پہنچے تو جھلا کر کہتے ہیں کہ دیکھتے رہو اللہ تعالیٰ اس کو کیسی سزا دیتا ہے اس نے ہم پر ظلم تو کیا مگر عنقریب سزا بھی ایسی ملے گی کہ یاد ہی رکھے گا، اس کے بعد اگر تقدیر سے وہ شخص بیمار پڑ گیا یا مر گیا تو اپنے دعوی کا ثبوت بھی پیش کرتے اور خوش ہو کر کہتے ہیں کہ دیکھا اللہ کے فقیر بندوں کو ایذا دینے کا کیسا نتیجہ رہا۔ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافروں نے انبیاء کو ہزارہا ایذائیں پہنچائیں مگر کسی نے بھی انتقام کا فکر نہیں کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایذا دینے والے کفار مشرف بایمان ہو گئے اور دنیا و آخرت کی بہبودی سے دامنوں کو بھر لیا، اگر حضرات ِانبیاء اپنے دشمنوں سے انتقام لیتے یا ان کا مر جانا چاہتے تو بھلا اللہ کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی، کیا کوئی عابد ولی کسی نبی سے بڑھ سکتا ہے اَستَغفِرُ اللّٰہ عابد کو ہر شخص کے سامنے تواضع کرنی چاہیے۔

کسی عالم گنہگار کو دیکھے تو اس کے سامنے علم کی وجہ سے جھک جائے اور اس کے گناہ کا خیال نہ کرے کیونکہ علم کی بڑی فضیلت ہے اور جاہل فاسق کو دیکھے تو یوں سمجھے کہ کیا خبر ہے شاید اس کی باطنی حالت مجھ سے بدر جہا بہتر ہو اور اِس میں کوئی ایسی محمود صفت ہو جو اِس کے ظاہری گناہوں کو چھپا لے اور میرے اندر کوئی ایسی خباثت ہو جس کے باعث میری ظاہری عبادتیں بھی حبط (مٹ جائیں) ہو جاویں سو اللہ تعالیٰ تو قلوب دیکھتا ہے صورت کو نہیں دیکھتا اور کسی کے قلب کا حال سوائے علام الغیوب کے دوسرے کو معلوم نہیں پھر تکبر کیسا علاوہ اس کے یہ کہ خود تکبر بھی تو ایک باطنی خباثت ہے پس اپنی حالت کا بدتر ہونا تو خود ظاہر ہو گیا کہ اپنے اندر تکبر موجود ہے اور وہ شخص جو فاسق نظر آ رہا ہے تکبر سے خالی ہے۔

بنی اسرائیل میں ایک فاسق شخص ایک مرتبہ ایک عابد کے پاس اِس نیت سے آ بیٹھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرمادے گا، اس کو پاس بیٹھا دیکھ کر عابد اپنے دل میں کہنے لگا کہ مجھے اس سے نسبت کیا؟ کہاں یہ اور کہاں میں! اس کے بعد اس سے کہا کہ جاؤ دور ہو، اسی وقت اُس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اِن دونوں سے کہہ دو کہ اَز سرِ نو عمل کریں کہ پہلا کیا کرایا برا تھا یا بھلا دونوں کا حبط کر دیا گیا کہ فاسق کے گناہ محو ہو گئے اور عابد کی نیکیاں مٹ گئیں اب آئندہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔

ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتی

رضاء الدین صدیقی

☆ کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہے، پس انسان کو چاہیے کہ وہ اس کا احکام بجالانے میں کوئی قصور وکوتاہی نہ کرے۔ تاکہ جو کچھ وہ چاہتا ہے قدرت حق سے بامراد ہوجائے۔

☆ میں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی زبان فیض ترجمان سے سنا کہ کسی شخص میں تین خصلتیں پائی جائیں تو سمجھ لو کہ خدا اسے دوست رکھتا ہے، سخاوت دریا کی طرح، شفقت آفتاب کی طرح اور تواضع زمین کی طرح۔

☆ حدیث میں آیا ہے کہ صحبت اثر کرتی ہے۔ یعنی کوئی شخص نیکوں کی صحبت میں بیٹھے گا تو وہ نیک ہوجائے گا۔ اس لیے کہ جس کسی نے کچھ پایا صحبت اور ہم نشینی سے پایا اور جو نعمت سعادت حاصل کی وہ نیکوں اور صالحوں کی رفاقت سے ملی۔

☆ اگر کوئی شخص کچھ عرصہ کے لئے نیک لوگوں کی ہمنشینی اختیار کرے تو امید ہے کہ ان کی صحبت ضرور اثر کرے گی اور وہ نیک بن جائے گا اور یہ چیز اس کی نیکی پر دلالت ہوگی، اور اگر کوئی نیک فرد چند روز کے لیے بروں کی صحبت اور ہم مجلسی اختیار کرے گا تو وہ بھی ان کی طرح ہوجائے گا۔

☆ دنیا میں عزیز ترین چیزیں تین ہیں۔ اول: وہ عالم جس کی گفتگو اپنے علم وفضل سے ہو۔ دوم: وہ آدمی جسے طمع اور لالچ نہ ہو۔ سوئم: وہ عارف جو ہمیشہ حق تعالیٰ کے اوصاف بیان کرے۔

☆ درویشی یہ ہے کہ کسی آنے والے کو محروم اور مایوس نہ کیا جائے اگر کوئی بھوکا ہے تو اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔ اگر کوئی ننگا ہو تو اسے مناسب لباس مہیا کیا جائے۔ چاہیے کہ ہر حالت میں کسی شخص کو محروم نہ چھوڑا جائے۔ حتیٰ کہ ہر کسی کی احوال پرسی کرے اس کی دلجوئی ضرور کرنی چاہیے یہی درویشی ہے۔

☆ عارفان الٰہی کی خصلت محبت میں اخلاص ہے۔ جہان میں بہت عزیز اور عمدہ بات یہ ہے کہ دوستوں کے ساتھ مل کر بیٹھیں اور جو کچھ دل میں ہو، ایک دوسرے سے بلا تکلف کہہ دیں اور صاف صاف بیان کریں۔ بدترین چیز یہ ہے کہ دوست دوستوں سے جدا رہیں۔

☆ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دوستی کیسی کی جاسکتی ہے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان چیزوں سے دوشمنی رکھی جائے جنھیں اللہ تعالیٰ دشمن سمجھتا ہے۔ مثلاً دنیا اور نفس۔ ایک بزرگ سے عارف کی علامت کے متعلق

پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا عارف وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی طرف نہ دیکھے۔

☆ حضرت رابعہ بصری سے پوچھا گیا کہ افضل ترین عمل کون سا ہے انھوں نے جواب دیا اوقات کی تعمیر، یعنی اوقات کو یادِ الٰہی میں بسر کرتا افضل ترین عمل ہے۔

☆ صرف نماز ہی منزل گاہ عزت کے قریب ہونے کا ذریعہ ہے، اسلئے کہ نماز مومن کی معراج ہے، حدیث پاک میں بھی وارد ہے الصلوٰۃ معراج المومنین ۔تمام مقامات سے بالاتر نماز ہے۔القائے ربانی کا وسیلہ اوّل نماز ہی ہے۔

☆ نماز ایک راز ہے جو بندہ اپنے پروردگار سے بیان کرتا ہے راز کہنے کیلئے کسی کا قرب چاہیے ،قرب وہی پاسکتا ہے جو اس راز کے لائق اور سزاوار ہو، یہ راز سوائے نماز کے اور کسی طرح بیان نہیں ہوسکتا حدیث مبارک میں مسطور ہے المصّلی یناجی ربہ یعنی نماز ادا کرنے والا اپنے ربِ کریم سے سرگوشی کرتا ہے۔

☆ حضرت خواجہ ابواللیث سمرقندیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے آسمان سے ہر روز دو فرشتے اترتے ہیں ایک خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوکر بلند آواز سے کہتا ہے، اے انسانو اور اے قوم جنات سنو اور اچھی طرح جان لو، جو شخص اللہ تبارک تعالیٰ کا فرض بجا نہیں لاتا وہ خدا کی پناہ میں نہیں رہتا۔ دوسرا فرشتہ رسول اللہ ﷺ کے حظیرہ کی چھت پر کھڑا ہوکر آواز دیتا ہے۔اے جن وانس سنو اور خوب سمجھ لو کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کی سنت کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور اس سے تجاوز کرتا ہے وہ شفاعت سے بے بہرہ رہے گا۔

☆ ایک روز نبی کریم ﷺ کے سامنے ابلیس آیا، آپ نے اسے بڑا غمگین پایا، آپ نے دریافت کیا، تیرے اس غم واندوہ کا سبب کیا ہے۔اس نے جواب دیا آپ کی امت کے چار گروہوں کی وجہ سے میں بڑا پریشان ہوں۔

(۱) ایک موذنوں کا گروہ ہے، جو اذان کہتے ہیں۔اور جو کوئی اذان سنتا ہے اور اس کا جواب دینے میں مشغول ہوجاتا ہے۔اس طرح وہ دونوں بخشے جاتے ہیں۔

(۲) دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو جہاد کے لیے نکلتے ہیں ان کے گھوڑوں کے سموں کی آواز سنائی دیتی ہے جب وہ تکبیر کہتے ہیں۔تو فرمانِ ایزدی نازل ہوتا ہے کہ میں نے انھیں اور ان کے متعلقین کو بخش دیا۔

(۳) تیسرا کسب حلال سے روزی کمانے والوں کا گروہ ہے وہ کسب حلال سے خود بھی کھاتے ہیں دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں اور اللہ حلال کمائی کی برکت سے ان سب کو بخش دیتا ہے۔

(۴) چوتھا وہ گروہ ہے جو فجر کے بعد اشراق ادا کرکے مسجد سے نکلتا ہے۔(دلیل العارفین)

القاب اور اکابر

مفتی مجیب الرحمٰن دیودرگی

اکابر کی خدمات کا تنوع اور اس کی وسعت وہمہ گیری کا بنیادی سبب ان کا خلوص وللّٰہیت کا خوگر ہونا اور ریاکاری سے دوری تھی، ان کے نزدیک کام اہم ہوتا نام کی ضرورت نہ ہوتی، علامہ نوویؒ مشہور شافعی عالم دین ہے ان کی مشہور کتاب ''شرح مجموع مھذب'' کئی جلدوں میں ہے، مسلم شریف کی بھی انہوں نے بہترین شرح لکھی ہے، اس کے علاوہ بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ابن حجر عسقلانیؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیت نے بھی اپنی کتابوں میں جابجا علامہ نوویؒ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے، اس کے باوجود ان کے روبرو ایک شخص نے انہیں محی الدین کے لقب سے موسوم کیا تو علامہ نوویؒ بگڑ گئے اور یہ کہا کہ میں نے کسی کو اپنے لیے محی الدین نام رکھنے کی اجازت نہیں دی۔(المدخل)۔

یہ اس لقب کے حقدار بھی تھے، ملت نے انہیں انتقال کے بعد بھی اسی لقب سے موسوم کیا؛ لیکن انہوں نے اپنی زندگی میں اس پر خوش ہونے کے بجائے بڑے سخت لہجے میں اس کی تردید کی۔

عراق کے فقہاء میں عام طور پر سادگی تھی، وہ کاروبار، محلّہ، قبیلہ، یا گاؤں کی طرف نسبت کرتے تھے، جیسے جصاص (گچ والا) قدوری (ہانڈی والا) طحاوی (طحا گاؤں کا باشندہ) کرخی (کرخ کا رہنے والا)البتہ ماوراءالنہر کے علماء میں عام طور پر القاب میں مبالغہ کیا جاتا تھا اور دوسروں پر ترفع ظاہر کیا جاتا، جیسے شمس الاسلام، فخر الاسلام، صدرالاسلام، صدر جہاں، صدر الشریعہ وغیرہ، اور یہ صورت زمانہ مابعد میں پیدا ہوگئی تھی، پہلے زمانے کے لوگ اس قسم کی باتوں سے پاک تھے۔

محی الدین نحاس کی تنبیہ الغافلین میں جہاں منکرات کا ذکر ہے لکھا گیا ہے کہ منکرات میں سے وہ بھی ہے جو آج وبا کی طرح پھیل گیا ہے، یعنی وہ جھوٹ جو زبانوں پر رائج ہوگیا، یہ خود ساختہ القاب ہیں ، جیسے محی الدین، نورالدین، عضدالدین وغیرہ، یہ وہ جھوٹ ہے جو پکارتے وقت تعریف کرتے وقت واقعہ بیان کرتے وقت بار بار زبانوں پر آتا ہے، یہ سب دین میں امر منکر اور بدعت ہیں۔

مذکورہ بالا اقتباس نقل کرنے کے بعد مولانا لکھنویؒ نے لکھا ہے کہ یہ بات یعنی مذکورہ بالا القاب کا منکر و بدعت ہونا اس صورت میں ہے جب کہ صاحبِ لقب اس کا اہل نہ ہو، یا اہل ہو مگر اس نے

اپنا لقب بطورِ تزکیہ کے رکھا ہو۔(فوائد البھیہ)

نیز مفتی صاحبؒ نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمارے عرف میں یہ القاب محی الدین، ناصر الدین ،وغیرہ بطورِ نام کے استعمال ہوتے ہیں اس لیے ممنوع نہیں ہیں، ہمارے محاورات میں القابِ عالیہ کی مثالیں مفتیِ اعظم ،محقق بے بدل ،خطیبِ عصر ،علامۂ زمان وغیرہ ہیں۔

ایک دفعہ ایک جلسہ میں حضرت شیخ الہندؒ کو بڑے القابات سے نوزا گیا، ان کی بڑی تعریفیں کی گئی، جب آپ نے تقریر شروع کی تو بذاتِ خود اپنی اتنی مذمت کی کہ مجمع سن کر پانی پانی ہوگیا۔

ایک دفعہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اناؤنسر کی مبالغہ آمیزی پر انتہائی سخت رویہ اپنایا تھا ،بڑے بڑے اکابر تو صرف اپنے لیے مولوی کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے ، دیگر کئی اکابر کے سلسلہ میں معروف ہے کہ ادھر اناؤنسر نے تعریف کرنی شروع کی تو مقرر نے مائیک چھین کر تقریر شروع کردی، آج شیخ الاسلام ، شیخ الفقہ ، شیخ الحدیث کے القاب استعمال کرتے ہوئے زبانیں نہیں تھکتی ہیں۔

اب تو القاب وآداب میں مزید غلو پیدا ہوگیا ہے، پہلے کے لوگوں کو اگر کوئی لقب یا خطاب دیا گیا تو اپنی معیاری خدمات کی وجہ سے وہ مستحق بھی تھے اور حق دار بھی لیکن اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ

آتا جاتا کچھ نہیں ہے نام محمد فاضل
دیکھنے میں اچھی نہیں لگتی نام حسینہ بیگم

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کو جب کچھ معتبر علماء وصلحاء نے مفتی صاحبؒ کی فقہی خدمات اور فقہی مہارتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ''فقیہ الاسلام'' کا لقب دیا اور تحریروں وتقریروں میں یہ لقب بکثرت زبانوں آنے لگا تو نہ صرف اس کو ناپسند فرمایا کہ بلکہ بعض مواقع پر تقاریر میں اس کی قباحت بھی ارشاد فرمائی بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اب تو لوگوں نے انسانوں سے ہٹ کر جانوروں کے ناموں پر القاب لکھنے کا عمل شروع کردیا ہے چنانچہ کوئی بلبل ہند ہے تو کوئی طوطئ اسلام، کوئی شیر پنجاب ہے تو کوئی شیر اسلام، گویا اللہ نے جس کو انسان بنا کر اشرف المخلوقات بنایا تھا ہمارے لوگوں نے انسانوں سے جانوروں میں داخل وشامل فرمادیا۔

اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام میں بے محل القاب کے نقصانات بیان کیے جائیں کہ عوام خود کذب بیانی وغیرہ کے خوف سے اس سے پرہیز کرنے لگیں، مدارس دینیہ میں ابتداء ہی ایسی تربیت کی جائے کہ طلبہ اپنے لیے القاب کے بجائے نام ہی زیادہ پسند کرنے لگیں۔

محرم الحرام تاریخ کے آئینے میں

محمد ابوسفیان حسینی

ہمارا نظریہ دینِ اسلام ہے اس کی بنیاد علاقائیت ، وطنیت ،نسل پرستی یا زبان نہیں ہے، بلکہ ہمارا دین اسلام یہ نہ صرف مذہب ہے بلکہ ضابطہ حیات ہے، ہرقوم کا کوئی نہ کوئی کیلنڈر رہا ہے۔ یہودیوں کا سن ۳۷۰۰ق م سے شروع ہوتا ہے،عیسوی سن کی ابتداء حضرت عیسیٰؑ کے یوم ولادت سے ہوتی ہے، اس طرح بکرمی سن کی ابتداء مہاراجہ بکر ماجیت کوساکھا قوم پر فتح حاصل ہونے کے واقعے سے ہوتی ہے، اس طرح سن ہجری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ ہجرتِ مدینہ کی یاد دلاتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا یہ سفر آٹھ ربیع الاول کو ہوا۔ یہیں سے اسلامی سال کی ابتداء ہوتی ہے، جس کو سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنے دورِ خلافت میں نافذ کیا۔

قمری تقویم اور اس کے فوائد:

اگر ہم سن ہجری کا دوسرے مروجہ سنین سے تقابل کر کے دیکھیں۔تو یہ سن بہت سی باتوں میں دوسروں سے منفرد وممتاز نظر آتا ہے۔سن ہجری کی ابتداء چاند کو بنایا گیا اور اسلامی مہینوں کا تعلق چاند سے جوڑا گیا۔ یہ تقویم خالق کی بنائی چیز سے تعلق رکھتی ہے۔اس میں کسی پیوند کاری کی کوئی ضرورت نہیں۔اسلام چونکہ سادہ، عجز وانکساری والا آسان مذہب ہے، لہٰذا چاند کے ذریعے ہر علاقہ کے لوگ خواہ پہاڑوں میں رہتے ہوں یا کہ جنگلوں میں خواہ جزیروں میں، ان کے لئے آسان ہے کہ اپنے معاملات چاند کے مطابق طے کریں۔اس میں کوئی مشکل و پیچیدگی نہیں۔ پڑھے لکھے اور اَن پڑھ سب آسانی سے حساب کر سکتے ہیں۔اس کے برعکس دیگر تقاویم ہر آدمی آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا۔ جبکہ چاند ہر جگہ نکلتا ہے۔کسی مشکل حساب کتاب کی ضرورت نہیں۔ جبکہ دوسری تاریخوں میں یہ بات نہیں۔ اسلام چوں کہ دینِ فطرت اور عدل وانصاف کا دین ہے۔اس میں مساوات و ہمہ گیری ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہی پسند فرمایا۔ کہ اسلامی مہینے ادلتے بدلتے آیا کریں۔لہٰذا قمری تقویم کو بنیاد قرار دیا گیا۔اگر اسلام دیگر اقوام کے طریق کواپنا لیتا یا گوارہ کر لیتا جیسے شمسی (عیسوی) تقویم توماہ صیام کسی ایک مقام پر ہمیشہ ایک ہی موسم میں آیا کرتا جس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا کہ نصف دنیا کے مسلمان جہاں موسم سرد اور دن چھوٹے ہوتے

ہمیشہ آسانی میں رہتے۔اسی طرح سفرِ حج کا بھی یہی حال رہتا۔

محرم الحرام اور تاریخ انسانیت:

طلوع اسلام سے قبل بھی تاریخِ انسانیت کے بے شمار واقعات محرم میں رونما ہوئے۔ یہ واقعات محض اتفاقی یا حادثاتی نہ تھے۔ بلکہ قسامِ ازل کا اٹل فیصلہ تھا جو ہونا تھا اور ہو کر رہا۔ چنانچہ:

(۱) اس ماہ میں کائنات کی تخلیق ہوئی۔

(۲) حضرت آدمؑ پیدا ہوئے۔

(۳) حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔

(۴) حضرت آدمؑ کو خلافت کا تاج پہنایا گیا (انی جاعل فی الارض خلیفہ)

(۵) سیدنا ادریسؑ کو درجات عالیہ عطا ہوئے۔

(۶) کشتی نوحؑ وادی جودی پہ ٹھہری۔

(۷) سیدنا ابراہیمؑ کو منصب و مقام خلیل سے سرفراز فرمایا گیا۔

(۸) سیدنا یوسفؑ صدیق اللہ کو جیل سے رہائی ملی۔

(۹) سیدنا یعقوبؑ کی بینائی لوٹائی گئی۔

(۰۱) سیدنا یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے رہائی ملی۔

(۱۱) فرعون غرقِ نیل ہوا اور موسیٰؑ کلیم اللہ کو کامیابی عطا ہوئی۔

(۲۱) سیدنا عیسیٰؑ کو آسمان پر زندہ اُٹھایا گیا۔

(۳۱) اس روز قیامت آئے گی۔

(۴۱) اسی ماہ یوم عاشورہ کو اہلِ مکہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے اور اس دن کو یوم الزینۃ کہتے تھے۔

(۵۱) اسی ماہ امام الانبیاء خاتم المعصومین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چند سال قبل ابرہہ بیت اللہ پر حملہ کی نیت سے نکلا۔ تو اللہ نے ابابیلوں کا لشکر بھیج کر اسے تباہ و برباد کر دیا۔

محرم الحرام اور تاریخ اسلام:

اب ہم ان واقعات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں جو محرم میں رونما ہوئے:

(۱) شعب ابی طالب کی محصوری جو یکم محرم ۴ نبوی۔

(۲) نکاح سیدہ فاطمہ الزہراء ہمراہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۲ھ۔

(۳) غزوہ غطفان ۳ ہجری۔

(۴) نکاح ام کلثومؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہ عثمان غنیؓ۔

(۵) سلاطین عالم کو دعوت اسلام ۷ ہجری۔

(۶) غزوہ خیبر ۷ ہجری۔

(۷) وفد اشعرین کا قبول اسلام ۷ ہجری۔

(۸) نکاح ام المومنین سیدہ صفیہؓ ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۹) غزوہ وادی القریٰ ۷ ہجری۔

(۰۱) عام الوفود ۹ ہجری۔

(۱۱) تقرر عاملین زکوٰۃ ۹ ہجری۔

(۲۱) طاعونِ عمواس ۸۱ ہجری۔

(۳۱) امارتِ سیدنا امیر معاویہؓ ۹۱ ہجری۔

(۴۱) خلافت سیدنا عثمان غنیؓ یکم محرم ۴۲ ہجری۔

(۵۱) فتح قبرص ۸۲ھ۔

(۶۱) خلافت سیدنا علی المرتضیٰؓ ۳۴ ہجری۔

(۷۱) جنگ صفین ۷۳ھ۔

(۸۱) فتوحات افریقہ ۵۴ھ۔

(۹۱) ابو مسلم کا خراسان پر قبضہ ۱۳۱ھ۔

(۰۲) بنوامیہ کا قتلِ عام ۳۳۱ھ۔

(۱۲) قیصر روم کی شکست ۸۳۱ھ۔

(۲۲) مسجد نبوی کی توسیع ۱۶۱ھ۔

(۳۲) مصر پر عیسائیوں کا قبضہ ۹۰۳ھ۔

(۴۲) نوحہ ماتم کی ابتداء ۲۵۳ ہجری۔

(۵۲) ہلاکو نے بغداد کو تاراج کیا ۲۵۲ھ۔

(۶۲) حکومت شیر شاہ سوریؒ ۹۴۷ ہجری۔

(۷۲) دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۵/محرم ۱۲۸۳ ہجری۔

برصغیر کی ماہ محرم میں پیدا ہونے والی چند علمی شخصیات

(۱) امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ مدفون دین پور۔

(۲) شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک۔

(۳) شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علیؒ مدرس دارالعلوم دیوبند۔

(۴) حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستیؒ مدفون دین پور۔

(۵) مفتی عبدالحکیم سکھرویؒ۔

محرم الحرام میں وفات یا شہادت پانے والی چند شخصیات

(۱) سیدنا ابوعبیدہؓ بن الجراح۔

(۲) شہادتِ سیدنا علیؓ و سیدنا عمر فاروقؓ۔

(۳) شہادت سیدنا ابوایوب انصاریؓ۔

(۴) سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر صدیقؓ۔

(۵) سیدنا سعدؓ بن ابی وقاصؓ۔

(۶) اُم المومنین سیدہ جویریہؓ۔

(۷) سیدنا سمرہؓ بن جندب۔

(۸) شہادتِ سیدنا حسینؓ ابن علی المرتضیٰؓ۔

(۹) سیدنا عبداللہ بن عمر فاروقؓ۔

(۰۱) حضرت یوسفؒ بن تاشقین۔

(۱۱) حضرت بابا فرید گنج شکرؒ۔

(۲۱) مرزا مظہر جانِ جاناںؒ۔

(۳۱) علامہ انور شاہ کشمیریؒ۔

(۴۱) مولانا میاں سید اصغر حسینؒ۔

(۶۱) مولانا محمد احمد تھانویؒ۔

☆☆☆